

انہوں نے کہا کہ فجر کے بعد آپ کی مولانا رابع صاحب سے ملاقات کراؤں گا، رات کے وقت خادین اور دیگر لوگوں کی وجہ سے حضرت مولانا رابع صاحب سے ملاقات کا تصور نہیں کر سکتا تھا، الحمد للہ بھٹکل کے استاد محترم نے یوں جا کر کہا کہ بمبئی سے مولانا شوکت صاحب نے کسی کو بھیجا ہے تو حضرت نے کہا کہ مولانا شوکت صاحب کے مہمان کو پہلے میرے پاس بھیج دو، پھر سلام علیک کے بعد حضرت مولانا کا خط پڑھ کر خوشی کا اظہار فرما کر اپنے داماد مولانا عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رہنمائی فرمائی۔ جب فون پر مفتی رفیق صاحب سے بات چیت ہوئی کہ مولانا رابع صاحب سے ملاقات ہوئی اور مولانا سعید الاعظمی صاحب دہلی تشریف لے گئے ہیں تو حضرت مفتی صاحب نے میرے دہلی جانے کی ترتیب بنائی اور ندوہ سے میرے واپس آنے تک میرا دہلی کا ٹکٹ بن گیا تھا، اس وقت موبائل کا رواج نہیں تھا؛ البتہ ہراسٹیشن پر جب گاڑی رکتی تو اسٹیڈی S.T.D. سے فون کرنے کا موقع ملتا، جب میں بھساول پہنچا تو مجھے دہلی جانے کی اطلاع ملی کہ بمبئی سے آپ کو دہلی جانا ہے، پھر میں اگلے اسٹیشن سے گھر پر فون کر کے گھر سے کپڑے کی بیگ میرے بھتیجے عمر کے ذریعہ بمبئی منگائی اور بمبئی سے دہلی کے سفر سے پہلے دعا کی درخواست کے لیے حضرت مولانا کے پاس جامع مسجد بمبئی میں پہنچا، حضرت نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، دہلی جانے کے بعد ایک ہفتہ بڑی پریشانی میں گزرا کہ مولانا سعید الاعظمی صاحب کا کوئی موبائل نمبر یا پتہ نہیں، بالآخر مولانا سعید الاعظمی صاحب الغریر مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے پہنچے، جمعہ کے بعد میں نے ملاقات کی، بات چیت کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خط آپ کو دیا، خط پڑھ کر آپ نے کہا: اتنے دن آپ کہاں تھے، میں نے مثبت جواب دیا، جس پر آپ نے فرمایا: آئندہ کل ہماری رہائش گاہ پر آ جانا، الغریر سینٹر، یہ غریر خاندان نے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ان بزرگوں کے لیے مہمان خانہ بنایا تھا، خوشی خوشی سنیچر کی صبح الغریر کی

معلومات لیتے ہوئے دس بجے بروقت پہنچا۔ دروازے پر دستک دی، حضرت مولانا سعید الاعظمی صاحب نے دروازہ کھولا، مجھے کمرے میں لے گئے اور تصدیق نامہ پہلے ہی سے لکھ کر تیار تھا، میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے یوں گویا ہوئے: ”ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم کسی جگہ کو دیکھے بغیر تصدیق نامہ نہیں دیتے، مگر جب حضرت کا حکم ہے تو نا نہیں بول سکتے۔“

یہ جملہ میرے سینے کو چیرتے ہوئے میرے دل میں پیوست ہو گیا اور میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور میری زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے کیا مقام ہے ہمارے مولانا کا ان بزرگوں کے دلوں میں اور ہم اہل کوکن مولانا کے مقام کو پہچان نہ سکے! اس زمانے میں ٹیلی فون بہت ہوتے تھے، جہاں سے کارڈ لے کر فون کرنے کی سہولت تھی، میں نے پہلا فون حضرت مولانا شوکت صاحب کو کیا، میرے آنسو بہہ رہے تھے اور یہاں سے مجھے حضرت کہہ رہے تھے بیٹا کوششیں کبھی بے کار نہیں جائیں گی، پھر جو ہوا وہ ہوا۔

بالآخر جب بھی کوئی کام کرنے کی مفتی رفیق صاحب ہمت کرتے ہیں اور ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہیں تو میری نوک زبان حضرت مولانا کا یہ جملہ گردش کرتا ہے، بیٹا کوششیں کبھی بے کار نہیں جائیں گی۔ میں مفتی صاحب کی مزید ہمت بڑھانے کے لیے خوشی سے کہتا ہوں کہ اپنے کو حضرت کو دعا ہے آپ کرواں شاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے، اور اب آپ کے جانے کے بعد کئی مرتبہ ملکی اعتبار سے حالات سامنے آئے، اور انفرادی واجتماعی حالات میں بھی میں اپنے ساتھی اور بھائی مولانا ارشد صاحب ساٹویکٹر سے عرض کرتا ہوں کہ اب کیا کریں، کس سے درخواست کریں، آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں، آج بھی دعائیں کرنے والے بہت ہیں مگر تجھ سا کہاں سے لائیں۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

رحمت خداوندی تیرے گھر کی نگہبانی کرے

توجنازہ گرنہ آئی بمزار خواہی آئی

مولانا محمد صاحب فاضل فیض العلوم نیرل

استاذ مدرسہ فیض العلوم نیرل

عارف باللہ حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر بچپن میں ہی والد ماجد حضرت مولانا محمد یار صاحب تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن چکا تھا والد صاحب انہیں ”امیر المؤمنین“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ تدریسی خدمت کے لئے حضرت والا کی سرپرستی میں چلنے والے ادارہ ”مدرسہ فیض العلوم نیرل“ سے وابستگی کے بعد راقم کی ایک بڑی خواہش یہ تھی کہ حضرت کی خدمت میں حاضری دے اور دعاؤں کی سوغات لے۔ روحانی فیض کے ساتھ والد مرحوم سے ان کی رفاقت و تعلقات کے تذکرے بھی سنے، چنانچہ متعدد مرتبہ کوشش کی، تاہم اس پورے عرصہ میں حضرت والا بیمار اور صاحب فراش رہے، اس لئے ناکامی ہی ہاتھ لگی۔ اور گذشتہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ بمطابق ۱۰/۱۰/۲۰۱۵ء بروز ہفتہ کو ان کے انتقال کی خبر سے آس ہی ٹوٹ گئی اور یہ خواہش ہمیشہ کے لئے حسرت بن گئی، چنانچہ نماز جنازہ میں شرکت اور پس مرگ دیدار سے دل میں ایک ہوک اٹھی کہ کاش یہ موقع زندگی میں حاصل ہوا ہوتا۔ اے آرزو کہ خاک شد! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت مولانا شوکت نظیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے عالم، متعدد بڑے مدارس کے سرپرست اور مرکزی جامع مسجد بمبئی کے خطیب اور امام ہی نہ تھے، ان کی سب بڑی خصوصیت تقویٰ، خشیت، طہارت، انابت الی اللہ کے ساتھ ان کا وہ ٹھوس دینی، علمی و روحانی

مزاج تھا، جواب نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ علمی رسوخ اور عملی خلوص کے ساتھ وہ صاف و شفاف سینہ اور پاکباز دل رکھتے تھے۔ شہرت و ناموری سے کوسوں دور گوشہ نشینی کی زندگی کو پسند کرتے اور بڑے سے بڑے کاموں میں حصہ لینے کے باوجود کسی فہرست میں اپنا نام شائع نہ ہونے دیتے۔ شہرت، پبلٹی اور ہمہ ہی کے اس دور میں جب کہ ہر کوئی اپنی ذیلی بجا رہا ہے، امت کا ایسے بزرگوں سے محروم ہونا ایک بڑا سانحہ اور خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے!

عروس البلاد بمبئی میں حضرت مولانا کی حیثیت اس منارہ نور کی سی تھی؛ جس سے سبھی روشنی حاصل کرتے تھے۔ کیا عوام اور کیا خواص، سبھی ان کے گرویدہ تھے۔ انھوں نے اپنے حسن عمل و بلند کرداری سے سبھی کا دل جیت لیا تھا۔ قریب و بعید اور دور و نزدیک والے سبھی اپنے کو حضرت مولانا کا سب سے قریبی تصور کرتے تھے۔ ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کا گاؤں ”میندری“ بمبئی سے تقریباً سوا دسویں کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، بندہ جب مفتی احمد نجی، مولانا اظہر، مولانا ادیب، مولانا امتیاز اور مولانا ماثر صاحبان اساتذہ مدرسہ فیض العلوم نیرل کے وفد کے ہمراہ جنازہ میں شرکت کی غرض سے نیرل سے میندری کے لئے روانہ ہوا تو پورے راستے میں کوئی موٹر اور ٹکڑا ایسا نہیں آیا، جہاں دور دراز سے جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی گاڑیاں رواں دواں میندری کی جانب محو سفر نظر نہ آئی ہوں۔ چنانچہ جنازہ میں اس قدر انسانی ہجوم ہو گیا کہ ”میندری“ جیسے چھوٹے سے گاؤں میں انتظام و انصرام کے لئے ٹریفک پولیس کی مدد لینا پڑی۔

ہے ماتم کس دیوانے کا الہی آج صحرا میں

کہ سیلیں اڑتی پھرتیں ہیں، بگولے خاک اڑاتے ہیں

حضرت مولانا شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قلب بمبئی میں اہل اللہ، بزرگان دین اور علماء مشائخ کے معتمد ترین نمائندہ اور جائے پناہ تھے، بزرگوں کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، چنانچہ

سبھی آپ کے پاس آتے اور آپ سب کا اعزاز و اکرام کرتے۔ وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی کے باختصاص تلامذہ اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے۔ انہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امر و ہوی اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمہم اللہ جیسے اساطین علم و فضل اور نابغہ روزگار ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے اور ان کے دامن تربیت میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے بھی علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری، بے لوثی و بے نفسی کی جو دولت اپنے اساتذہ سے حاصل کی تھی، اسے سرمایہ حیات تصور کیا، اور زندگی بھر اسے ہر طرح کے تلوٹ سے پاک و صاف رکھا۔

آپ خاندانی طور پر سادات کے اس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے؛ جو سات صدی قبل یمن کے علاقہ حضرموت سے آکر کوکن کے علاقہ ”میندری“ میں آباد ہو گیا تھا۔ آپ نے کچھ دنوں علاقہ کے اسکول میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ حسینیہ راندر تشریف لے گئے، جہاں عربی چہارم تک کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے انوار العلوم احمد آباد منتقل ہوئے، پھر اپنے استاذ حضرت مولانا ظریف الحسن کے توسط سے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا، مگر برزگوں کے حکم پر اسے خیر باد کہا اور جامع مسجد بمبئی کی امامت و خطابت کی ذمہ داری سنبھال لی، پھر تادم واپسی مکمل یکسوئی کے ساتھ وہیں سے دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے، چنانچہ بہتوں نے کسب فیض کیا اور اپنی زندگیاں سدھاری اور بہتوں نے بد اعمالیوں سے توبہ کی اور عمدہ زندگی گزاری۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ۔

چودہویں کا چاند

مولانا مدر بن وزیر مقدم

استاذ جامعہ فیض القرآن کالستہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
 بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 وہ جو بیچتے تھے دوائے دل دکان اپنی بڑھا گئے ہیں
 وہ جو نمونہ سلف تھے، بلکہ بقیۃ السلف تھے
 وہ جن کے دم سے اندھیروں کو روشنی ملی
 وہ جن کے دم سے اجالوں کو تازگی ملی
 وہ جن کے دم سے چمن کو بہار میسر آئی
 وہ جن کے دم سے بہاروں پر بہار آئی
 وہ جو مدارس کے سرپرست تھے
 وہ جو علماء کے رہبر اور غریبوں کے مسیحا تھے
 وہ جو قوم و ملت کے سچے غم خوار اور غم گسار تھے
 وہ جو اپنی ذات میں بدرکامل یعنی چودہویں کا چاند تھے
 یعنی قطب کوکن حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ جو آج باری تعالیٰ کے جوار رحمت میں جا چکے ہیں، مگر ان کی یادوں کی خوشبو سے گلشن آج بھی مہک رہا ہے۔

۱۹۹۲ء کی بات ہے، مہینہ اورتاریخ تو یاد نہیں، دن البتہ جمعہ کا اور یہی کوئی صبح ساڑھے دس بجے کا وقت تھا، اچانک طلبہ میں شوراٹھا کہ مولانا سید شوکت صاحب تشریف لارہے ہیں۔

اس وقت ہم کیا اور ہماری عمر کیا، جامعہ فیض القرآن کی زمانہ طالب علمی کا زمانہ تھا، عمر کل ملا کر ۱۲ سال، اپنے ہم عصر اور نسبتاً بڑے طلبہ کی زبانی پتہ چلا کہ حضرت مولانا سید شوکت صاحب آرہے ہیں، بڑے بزرگ اور اللہ والے ہیں اور بہت بڑی ہستی ہے اور سب سے بڑھ کر اس وقت مولانا کے دیدار کو شوق دلانے والی چیز جو تھی وہ یہ کہ مولانا کی پیشانی پر سجدہ کی نشانی کے طور پر چاند بنا ہوا تھا۔ اور چیزوں کا ہم طلبہ کو کیا خیال، ہمارا اشتیاق تو چاند کے دیدار کے لیے تھا، جمعہ کی صبح مولانا تشریف لائے اس وقت جامعہ کی نئی عمارت کی تعمیر کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا، بس ایک پہاڑ تھا جو جنگل کا حصہ تھا چیکو اور کوکم کے درختوں کی یاد آج تک ہے، مولانا ایک مخصوص مقام پر کھڑے تھے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ تقریباً وہ جگہ تھی جہاں سے آج احاطہ جامعہ میں ایک راستہ مہتمم صاحب کے گھر کی طرف، اور دوسری مختصر گلی دارالاساتذہ کی طرف اور درمیان سڑک گاؤں کی طرف جاتی ہے، دیگر طلبہ اور ساتھیوں کا حال تو پتہ نہیں، ہم تو بس اسی چاند کا دیدار کرتے رہے اور اسی خیال میں کھوئے رہے، یہ تو بہت بعد میں پتہ چلا کہ مولانا کے صرف چہرے ہی پر چاند نہیں ہے، بلکہ مولانا اپنی ذات میں مکمل چاند بلکہ بدر کامل یعنی چودھویں کا چاند ہیں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن سے اور جامعہ کے طلبہ سے مولانا شوکت صاحب کو خصوصی لگاؤ تھا، لہذا جامعہ کی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت سے خصوصی لگاؤ ہونا فطری چیز تھی، بعد ازاں بندہ جب ”تخصّص فی الحدیث“ کے لیے مظاہر علوم سہارن پور جا رہا تھا، تو ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوا، حضرت نے منشاء معلوم کیا، جب عرض کیا

کہ ”تخصّص فی الحدیث“ مقصود ہے، تو بہت خوش ہوئے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: بہت اچھا انتخاب ہے.....

پھر چند جوڑی موزے عطا کیے اور فرمایا: ”ان کو پہنا کرو، زیادہ بہادر نہیں بننا“ (یعنی سردی کی طرف سے غفلت نہیں برتنا) بعد ازاں جب بندہ مدرسہ فیض العلوم نیرل میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا تو ہفتہ دو ہفتہ میں مولانا کی خدمت میں ضرور حاضری ہوتی تھی، اس عرصہ میں مولانا سے کافی قریبی تعلق ہو گیا تھا۔

حق تعالیٰ شانہ نے مولانا کو جن صفات جمیلہ سے نوازا تھا وہ اظہر من الشمس تھیں، ہر واقف کار اس سے باخبر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس مقام بلند اور جن مراتب عالیہ سے نوازا تھا وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور کسی درجہ میں اس کا ادراک اللہ والوں کو ہو سکتا ہے، ہر کس و ناکس اس کا صحیح ادراک بھی نہیں کر سکتا، اس لیے کسی اللہ والے کا کہنا تھا کہ ہم بڑوں کو پہچانتے ہیں؛ لیکن حضرت مولانا شوکت صاحب کو صحیح معنوں میں بڑے ہی پہچانتے ہیں۔

حضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد بہت سے حضرات نے آپ کے بارے میں لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں، بالفاظ دیگر مولانا کی ذاتِ بابرکت کو اپنے قلم و قرطاس کی سلامی دی ہے، بلکہ زیادہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات پر لکھنے کو اپنی قلم کی سعادت سمجھا ہے، اور اپنے ہی قلم کی عزت افزائی کی ہے، احقر نے بھی اس سلسلہ میں ایک مضمون لکھ کر انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی کوشش کی ہے۔ ممکن ہے کہ احقر کے پاس کچھ معلومات وہ ہوں جو بزرگ خود کسی اور کے پاس نہ ہوں۔ اور اس طرح پڑھنے والے کو فائدہ پہنچے۔

اللہ والوں نے لکھا ہے کہ انسان میں چند مخصوص صفات ہوتی ہیں، جن کی بنا پر انسان کو عند اللہ مقبولیت و عند الناس مقبولیت ملتی ہے، حضرت مولانا میں وہ صفات کس درجہ کامل تھیں، سطور ذیل میں چند واقعات کے ذریعہ ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تقویٰ

تقویٰ ہی دراصل وہ صفت ہے جو تمام صفات کی اصل ہے، اور تقرب الہی کی اصل سیڑھی ہے، ہم نے اللہ والوں کی زبانی سنا کہ مولانا نے اپنی جوانی جس تقویٰ اور طہارت کے ساتھ گزاری عام لوگ بڑھاپے میں بھی اس کا تصور نہیں کر پاتے، لیکن اپنی دیگر صفات کی طرح اس صفت کو حضرت نے مخفی بلکہ غایتِ اخفاء میں رکھا، بس ایک واقعہ کے ذریعہ ہم اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مولانا کے احتیاط کا کیا عالم تھا۔ اُرن سے مسعود سلوٹری چچا راوی ہیں، فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ حاضر خدمت تھا، کسی نے ہدیہ لایا جو مٹھائی کی شکل میں تھا، ہدیہ لانے والا بینک میں کام کرتا تھا، مولانا نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر دوسرو پئے نکالے اور ان کو دے کر فرمایا گھر جاتے ہوئے بچوں کو کوئی چیز لے کر جانا، پھر فرمایا: میں لوگوں کی امامت کرتا ہوں مجھے اس چیز کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

حشیت الہی:

یہی مسعود چچا اپنا واقعہ سناتے ہیں ۷۵ء کی بات ہے، جمعہ کی نماز تھی اور دوسری رکعت میں مولانا سورہ غاشیہ کی تلاوت فرما رہے تھے، جب اِنَّ الْاِنْسَانَ اِیْسَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ پر پہنچے تو بے اختیار رو پڑے، مسعود بھائی کے پہلو میں ایک عرب کھڑے تھے، وہ بھی کچھ اس طرح بے اختیار ہوئے کہ ان کی ہچکیاں نکل گئیں، نماز کے بعد دریافت کرنے لگے کہ واقعہ یہ ہندی عالم ہیں، (یعنی لگتا نہیں کہ ہندی ہیں بلکہ عربی معلوم ہوتے ہیں اور اگر ہندی ہیں تو بڑے کامل ہیں۔

اخلاص:

بہت ہی آخری زمانے کی بات ہے اور یہ بات حضرت کی اہلیہ محترمہ سے جن سے راقم الحروف کی ہمشیرہ کا قریبی تعلق ہے، ان کی وساطت سے پتہ چلا ہے کہ اوراد و وظائف کا ایک

بہت ہی مقبول سلسلہ جو بمبئی بلکہ ملک کے دیگر علاقوں میں بکثرت جاری ہے اور کسی اور کے نام سے چھپتا ہے وہ دراصل مولانا ہی کا مرتب کردہ ہے۔ یہ بات مولانا کے سامنے چل رہی تھی، عرض کیا گیا مولانا آپ نے اپنا نام کیوں نہیں لکھا، فرمایا اگر اپنا نام لکھتا تو اخلاص کہاں باقی رہتا۔ پتہ نہیں اس طرح کی کتنی چیزیں اور ہوں گی اور اپنے اصل مرتب کی نیک نامی کو سلام کرتی ہوں گی، اور یہ بات بالکل ہی ظاہر تھی کہ مولانا نے ساری زندگی شہرت اور خود نمائی سے حد درجہ پرہیز کیا، خلوت اور گمنامی کو ہر طرح شہرت و جلوت پر ترجیح دی، مولانا کے جملہ اوصاف حسنہ میں شاید یہی صفت جلی تھی کہ وہ اپنے آپ کو سب سے خفی رکھتے تھے۔

استغناء:

ہر وصف ان کی ذات میں آکر نمایاں معلوم ہوا تھا، مولانا کی یہ صفت اس قدر ظاہر تھی کہ تقریباً سارا ہی بمبئی اس کا معترف ہے، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ حاضر خدمت ہے۔

مفتی عبدالحق پرکار راوی ہیں جامع مسجد بمبئی کے عطر فروشوں میں سے ایک عطر فروش نے آپ سے بیان کیا کہ خود میں کئی مرتبہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضرت میں آپ کو حج کروانا چاہتا ہوں، آپ کے دروازے سے لے کر مکہ تک اور مکہ سے آپ کے دروازے تک کا خرچ میرا، آپ صرف حامی بھر لیں، لیکن مولانا نے قبول نہیں کیا، اگر کوئی دوسرا ہوتا تو جزاک اللہ، ماشاء اللہ کہہ کر پتہ نہیں کہاں تک چلا جاتا، مگر مولانا ایسے نہیں ہیں۔

یہ الفاظ تو انھی صاحبِ واقعہ کے تھے۔ احقر کے علم میں ایک واقعہ ہے کہ ایک مشہور مالدار نے نئے فلیٹ کی چابی مولانا کے حوالے کی کہ مولانا یہ فلیٹ آپ کو ہدیہ ہے، مولانا نے وہ چابی لے کر پھر ان کے حوالے کر دی کہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے۔

اس طرح کے دسیوں، بیسیوں بلکہ سیکڑوں واقعات ہیں جو مولانا کی خودداری اور استغنا کو بتلاتے ہیں، یہاں آکر پھر ہمیں لگتا ہے کہ شاید یہی وصف جملہ اوصاف میں وصفِ جلی تھا۔

بلندی اخلاق:

یہ بھی ایسی صفت ہے جس کے سلسلے میں ایک دو نہیں دسیوں واقعات بیان کیے جاسکتے ہیں، ایک بات جو سردست میرے ذہن میں ہے وہ بیان کر رہا ہوں، جب بھی کوئی آپ سے ملنے جاتا اور مولانا کسی سلسلہ میں مصروف ہوتے تو میں نے کبھی صراحتاً آپ کو ملنے سے انکار کرتے نہیں سنا، ملنے کے بعد بھی آپ تھوڑی دیر بعد دریافت کرتے کہ: کہاں جا رہے ہو؟ یہ گویا سمجھدار کے لیے اشارہ ہوتا کہ اب چلے جاؤ تو بہتر ہے، آپ خود کبھی نہیں اٹھتے تھے، بلکہ ملنے والے کے اٹھنے کا انتظار کرتے تھے۔

تواضع و انکساری:

پورا کوکن آپ پر فخر کرتا تھا، اور آپ کو ”فخر کوکن“ کا خطاب دیا جاتا تھا، اور آپ بجا طور پر اس کے مستحق تھے، مگر خود آپ ---- ایک مرتبہ کی بات ہے کہ راقم الحروف ایک بار حاضر خدمت تھا، کسی سلسلہ میں عرض کیا: آپ تو ان شاء اللہ مسعود (سعادت مند) لوگوں میں ہوں گے، برجستہ فرمایا: کیا پتہ مسعود ہوں یا مسود (سیہ کار)۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ اور سن لیجئے: مدرسہ امدادیہ چونا بھٹی بمبئی کے ایک بڑے استاد مولانا بدرالدین صاحب راوی ہیں کہ ایک مجلس میں چند افراد شریک تھے، مولانا شوکت صاحب بھی تھے اور میں بھی تھا، (واضح رہے کہ یہ واقعہ آپ مولانا بدرالدین صاحب کی زبانی سن رہے ہیں راقم درمیان سے ہٹ چکا ہے) صاحب خانہ نے مہمان نوازی کے طور پر کوئی ٹھنڈا مشروب لا کر ہر ایک کے سامنے رکھا، یہ بات تصوف کے آداب میں لکھی ہوئی ہے کہ بڑوں کی موجودگی میں کھانے کی ابتدا بڑوں ہی سے ہو، چھوٹا ابتداء نہ کرے۔

اب ہر ایک نے مشروب نوش کرنا شروع کیا، میں اس انتظار میں تھا کہ مولانا شوکت

صاحب شروع کریں تو میں شروع کروں؛ لیکن قربان جائیے مولانا پر) جب تک مجلس کے آخری فرد نے ابتداء نہیں کی، مولانا نے مشروب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

ع اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

غیرت دینی اور حمیت:

تواضع اور انکساری کی ان ساری کیفیات کے باوجود جہاں غیرت دینی کی بات ہوتی، مولانا ایک دم سخت ہو جاتے تھے، اور پھر کسی کی رورعایت نہیں ہوتی تھی، اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

مولانا داود کو دے راوی ہیں: بمبئی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس تھا، اور مولانا اس جلسہ کے ناظم تھے، دورانِ جلسہ کچھ لوگوں نے فوٹو گرافی شروع کر دی، مولانا نے روک دیا؛ لیکن کچھ لوگ پھر بھی نہ مانے تو مولانا نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ لوگ منع کرنے کے باوجود فوٹو گرافی کر رہے ہیں، اب اگر اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا تو میں جلسہ کا ناظم ہوں، میں جلسہ ہی برخاست کر دوں گا۔

اللہ اکبر! مسلم پرسنل لاء بورڈ کا یہ اجلاس کوئی معمولی اجلاس نہ تھا، اس میں پورے ملک کی علمی و عملی قداور شخصیات موجود تھیں، ان کی موجودگی میں اس طرح کا اعلان مولانا کی جرأتِ ایمانی کی بات تھی، تو وہیں پر مولانا کے اکابرین کے لیے بھی اپنے اس خلیفہ اور جانشین پر اعتمادِ کامل اور اطمینان کا سبب تھی۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیں اور حضرت کی دقتِ نظر اور خانہ خدا سے بل کہ صاحب خانہ (اللہ تعالیٰ) سے لگاؤ کا اندازہ لگائیں۔ ارن (جو بمبئی سے قریب ایک بستی ہے) کے چند افراد کہتے ہیں: ہم آپ (دیوبندیوں) میں سے کسی کو نہیں مانتے، صرف مولانا شوکت صاحب کو مانتے ہیں، اس لیے کہ ہم ایک موقع پر جامع مسجد بمبئی گئے تھے، دیکھا کہ مولانا

مسجد میں لٹکائے ہوئے کلینڈر میں سے کوئی چیز کاٹ فیچی سے کاٹ رہے ہیں، ہم نے نزدیک جا کر دریافت کیا کہ مولانا کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ یہ کلینڈر مسجد میں لٹکے ہوئے ہیں اور ان میں ایڈورٹائز (اشتہارات) ہیں یہ خالق کا گھر ہے اس میں مخلوق کی ایڈورٹائز نہیں ہو سکتی۔“

سبحان اللہ کتنی بڑی اور کتنی دقیق، نیز گہری بات ہے، جو مولانا کی دقت نظری، علمی گہرائی اور غیرت دینی کا پتہ دیتی ہے۔

اکابرین سے تعلق:

مولانا کے شیوخ اور اساتذہ میں اور ان افراد میں جن سے مولانا نے علمی، عملی اور روحانی اکتساب فیض کیا، ملک کے بڑے بڑے شیوخ اور اساتذہ فن کے نام آتے ہیں، اور ان تمام ہی حضرات کو مولانا پر حد درجہ اعتماد اور آپ سے قلبی لگاؤ تھا، جن میں سید العرب و انجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، قطب الارشاد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مفتی محمود الحسن گنگوہی اور قاری طیب صاحب نیز متاخرین میں مولانا علی میاں ندوی صاحب جیسے افراد شریک ہیں، ویسے تو بیشتر معاصرین مولانا کو اپنے اکابرین میں شمار کرتے تھے، لیکن وہ افراد جن کو آپ بھی اپنے اکابرین کا درجہ دیتے تھے، وہ بھی مولانا کے بلند درجہ کے قائل تھے۔

حضرت مولانا مدنی سے تعلق اور لگاؤ نیز بچپن میں قاری طیب صاحب کے ساتھ آپ کے واقعات انتہائی مشہور ہیں، ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مدنی سے آپ کو کس درجہ لگاؤ تھا۔

آخر زمانہ کی بات ہے، مولانا ڈاکیہ روڈ میں مقیم تھے، بندہ حاضر خدمت ہوا، مولانا کی انگلیوں پر ہلکی سفیدی نظر آئی، میں نے محبت سے مولانا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی طرف اشارہ کیا، تو فرمایا اب تو بہت کم ہو گیا، پہلے بہت زیادہ سفیدی تھی، مولانا مدنی خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: ”ناریل کا تیل لگاؤ“ میں نے لگایا تو اچھا ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور سنئے! جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اکابرین کو حضرت مولانا

کی علمی وسعت، عقیدہ کی صحت اور روحانی نسبت پر کس درجہ اعتماد تھا۔
عصر کے بعد کا وقت تھا، آپ کے کمرے میں آپ کی مختصر مجلس جاری تھی، دیگر رفقاء کے ساتھ احقر بھی شریک تھا، مولانا عبد السلام نجی صاحب کے بارے میں پختہ یاد ہے کہ وہ بھی سہم محفل تھے اور بات چل رہی تھی ”فضائل اعمال“ کی جو تبلیغی نصاب کی اہم اور معتبر ترین کتاب ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: بمبئی سے حاجی یعقوب صاحب اور دیگر حضرات نے حضرت شیخ زکریا سے عرض کیا کہ حضرت! فضائل اعمال کا ایک باب ”مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج“ یہ کچھ طویل ہے، اس کو مختصر کریں تو بہتر ہوگا، تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواب دیا: ”اگر یہ کام کرنا ہی ہے تو شوکت سے کراؤ۔“

لیکن حضرت فرماتے ہیں: میں نے خط لکھ کر عرض کیا: حضرت! آپ نے جس روحانیت سے یہ باب لکھا ہے، اس کو ویسے ہی باقی رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا سید شوکت علی کے تعلق سے حضرت شیخ زکریا کے یہ الفاظ ایک دستاویز اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بتلاتے ہیں اکابرین کی نظروں میں آپ کا کیا مقام تھا۔

سخاوت و فیاضی:

آپ کے اس وصف سے آپ کا ہر متعلق بخوبی واقف ہے، اور سیکڑوں بلکہ شاید ہزاروں واقعات اس کے شاہد عدل ہیں۔

حاضر جوابی:

بطور نمونہ ایک دو واقعات کی طرف اشارہ ہے: اُرن میں کوئی تقریب تھی، غالباً کوئی جلسہ تھا اور اہل شہر کے اصرار پر حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب بھی تشریف لانے والے تھے، اب چند افراد آپ کو لانے کے لیے حاضر ہوئے، جن میں ”مسعود بھائی“ بھی تھے، مسعود بھائی نے عرض کیا: حضرت! کیسے چلیں گے، مولانا نے برجستہ جواب دیا: جیسے اعلیٰ حضرت لے چلیں گے۔

الغرض اس جیسے سیکڑوں واقعات ہیں جو دراصل انہی مبارک صفات کا نتیجہ ہیں، جن کی بنا پر آپ کو من جانب اللہ مقبولیت حاصل تھی اور ایک عالم آپ کا دیوانہ تھا۔

اجازت و خلافت:

آپ کو کئی اللہ والوں کی طرف سے اجازت و خلافت حاصل تھی، لیکن آپ نے اسے حد درجہ مخفی رکھا تھا، ان میں سرفہرست مولانا احمد علی آسامیؒ ہیں، آپ کے خلفاء میں تو احقر کو کسی نام کا پتہ نہیں چلا۔ واللہ اعلم مولانا بہت کم مرید کراتے تھے، بلکہ طالب اصلاح کو حتی الامکان کسی دوسری جگہ بھیج دیتے تھے۔

بشارات و منامات:

مولانا کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی، یہاں صرف ایک ہی واقعہ بطور تبرک عرض کرتا ہوں۔

صاحب خواب کا نام بہ مصلحت مخفی رکھا گیا ہے، صاحب خواب نے خواب دیکھا کہ اہل اللہ کی جماعت تشریف فرما ہے، نشست کی ترتیب صف در صف ہے، ان سب کے آگے مولانا شوکت صاحب تشریف فرما ہیں، مولانا کے بالکل دائیں جانب ہلکا سا پیچھے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور بائیں جانب بالکل اسی کیفیت میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، صاحب خواب نے بطور تعجب عرض کیا کہ ارے یہ حضرات تو مولانا سے بہت پہلے انتقال کر گئے ہیں، کسی نے جواب دیا، مولانا کا نام اس فہرست میں بہت آگے ہے۔

اسی خواب کے تذکرے پر اپنی بات کو ختم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا کو مقربین خاص میں شامل فرمائے، جنت الفردوس کے مکینوں میں اور اعلیٰ علیین میں داخل فرمائے۔ مولانا کو ہم سب کے لیے فرط بنائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

علم و عمل کا آفتاب و ماہتاب

مولانا ارشد عبدالرزق ساٹوی لکھ

استاذ جامعہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد بمبئی میں خطیب صاحب کے اصرار پر امامت و خطابت کے منصب کو قبول کیا، خطیب صاحب اصل امام تھے اور مولانا نائب تھے، ایک موقع پر خطیب صاحب نے فرمایا: علامۃ لوگ اپنے درجہ سے کم تر شخص کو نائب بناتے ہیں، مگر میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے، بلاشبہ نائب اصل سے کئی گنا بہتر زیادہ بہتر ہے۔ حضرت مولانا نے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اس منصب امامت و خطابت کو پچاس سال سے زائد عرصہ تک نبھایا اور اس منصب کا حق ادا کر دیا اور اہلیانِ بمبئی و اطراف کے لیے ایک مخلص و نادر مصلح ثابت ہوئے۔

بچپن سے لے کر موت تک نہایت صاف ستھری زندگی کے مالک رہے، علم و عمل کا پیکر بن کر اپنے آپ کو حقیقی معنی میں نمونہ سادات ثابت کر دیا۔

ممبر جامع مسجد بمبئی کی شان و شوکت:

جامع مسجد بمبئی کے منبر سے موقع محل کے اعتبار سے دیئے گئے سیکڑوں خطبات حضرت والا کا علمی و عملی شاہکار بھی ہے اور حضرت والا کا مکمل تعارف بھی، حضرت نے فرمایا تھا کہ ان خطبات کو اکثر رات کی تنہائی میں تیار کیا کرتا تھا۔

مولانا کے خطبات محض عام خطبات جمعہ نہیں ہوتے تھے بلکہ اہلیانِ بمبئی کے لیے

خصوصاً اور تمام انسانوں کے لیے عموماً آب حیات ثابت ہوتے تھے، وہ خطبات سیکڑوں انسان کی زندگیوں کی اصلاح کے ضامن ہوتے تھے۔ مولانا نے اس عہدہ کا حق ادا کرتے ہوئے اہل علم حضرات کو یہ پیغام دیا کہ اس منصب کو معمولی نہ سمجھا جائے، عمومیت کے ساتھ اصلاح و تربیت کا اس سے بہتر نظام نہیں ہو سکتا، کیوں کہ کسی موضوع پر کوئی اجلاس منعقد کرنا ہوتا ہے تو کئی مراحل سے گزر کر بھی یہ مجمع ہاتھ نہیں آتا، جو جمعہ کے دن نہایت آسانی کے ساتھ نہادھو کر صاف ستھرا ہو کر اجلے کپڑے پہن کر ہزاروں کی تعداد میں میسر آتا ہے۔

مولانا کے دیئے جانے والے خطبات، حضرت کا انداز اور وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے موقع بہ موقع جاری کردہ بیانات کا فیض اس قدر عام ہوتے گیا کہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے ہوئے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جامع مسجد بمبئی میں ہی جمعہ ادا کرتے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ میں نے اٹھائیس برس سے بلاناغہ جامع مسجد میں ہی جمعہ ادا کی ہے، حالانکہ وہ صاحب تھانہ میں مقیم تھے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہؒ بمبئی تشریف لائے تو مولانا ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، مجمع پہلے سے بیٹھا ہوا تھا، مولانا تاخیر سے پہنچنے کے سبب مجلس کے آخری حصہ میں بیٹھ گئے۔ شاہ وصی اللہ صاحب نے مولانا کو آگے بلا کر اپنے قریب بٹھلایا اور فرمایا: مولانا اپنے مقام و مرتبہ کو سمجھا کرو۔ اللہ اکبر

حضرت مدنی سے مشورہ:

عالمیت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا اپنے شیخ حضرت مدنی سے اگلی تعلیم کے سلسلے میں مشورہ کے لیے پہنچے اور فرمایا: حضرت مصر میں جامع ازہر علم حاصل کرنے جانے کا ارادہ ہو رہا ہے، حضرت مدنی نے برجستہ فرمایا کہ ”شوکت علی تو نے کیا نہیں پڑھا جو وہاں جا کر پڑھے گا۔ سبحان اللہ یہ ہے استاد کا اپنے شاگرد پر اعتماد۔ پس جس انداز سے حضرت مدنی نے یہ جملہ فرمایا تو مولانا نے سفر مصر کی ساری تیاری منسوخ کر دی۔

ائمہ حرین شریفین کی آمد:

جب جب بھی حرین شریفین کے ائمہ کرام بمبئی تشریف لاتے تو مولانا ملاقات کی اکثر و بیشتر ترتیب بناتے اور زیارت و ملاقات سے بے حد خوش ہوتے۔ مولانا ان سے نماز پڑھانے کی درخواست فرماتے اور وہ حضرات اسے رد نہ فرماتے، جن میں خصوصاً شیخ عبداللہ اسبیلؒ بھی ہیں۔

جامع ازہر مصر کے ایک شیخ بمبئی تشریف لائے تھے اور ایک بڑے ہوٹل میں قیام تھا، مولانا نے خود ہوٹل جا کر ان کی ملاقات فرمائی، وہ شیخ بھی نہایت عقیدت و محبت کے انداز میں مولانا سے گفتگو فرما رہے تھے۔ دوران گفتگو مولانا نے فرمایا کہ حضرت آپ جس ہوٹل میں مقیم ہیں، یہاں کے کھانے مشکوک ہیں، فقط اس جملہ سے ان شیخ ازہر نے یہ اثر لیا کہ جب تک اس ہوٹل میں مقیم رہے سوائے بریڈ اور جام کے کوئی چیز نہیں کھائی۔ اللہ اکبر

دراصل یہ مولانا کے تقویٰ، طہارت پرہیزگاری و للہیت نیز حرام و مشکوک چیزوں سے زندگی بھر کو سوں دور رہنے کی برکت تھی کہ فقط ایک جملہ نے شیخ ازہر کو محتاط بنادیا، اور نہ معلوم کتنی زندگیاں آپ کے چند جملوں سے تبدیل ہوئی ہوں گی۔

شیخ عائض القرنی حفظہ اللہ:

یہ حرم شریف کے چند معتمد ذمہ داران میں سے ایک ہیں، ایک مرتبہ بمبئی کے سفر میں حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا مولانا کا سلوک، حسن ادا، ظاہری و باطنی نورانیت اور بلا تکلف زبان عربی پر عبور، ان تمام چیزوں کا مشاہدہ ہوا تو خالص انس و محبت پیدا ہو گئی اور فرمایا کہ یہ تو ہمارا آدمی ہے۔۔۔“ منشا یہ تھا کہ حق تو یہ ہے کہ مولانا عربستان میں ہونا چاہتے تھے، یہ یہاں کیسے رہ گئے۔ اللہ اکبر۔

شیخ عبداللہ بصریمینی سے ملاقات:

علی عبداللہ بصریمینی حفظہ اللہ جدہ کی ایک بڑی مسجد کے امام و خطیب رہے ہیں اور عرب ممالک میں تقریباً ستر سے زائد تحفیز القرآن مدارس کے ذمہ دار بھی ہیں۔ دومرتبہ جامع مسجد تشریف

لائے۔ مولانا کی درخواست پر خطبہ جمعہ و نماز کا فریضہ انجام دیا۔ مولانا سے مل کر بہت خوش ہوئے دوران گفتگو پتہ چلا کہ مولانا کا تعلق بھی اصلاً حضرت موت یمن سے ہے تو خوشی کی انتہا نہ رہی، حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں بھی یمنی ہوں، مولانا نے فرمایا کہ میں شافعی ہوں تب شیخ نے فرمایا کہ میں بھی شافعی ہوں، پھر شیخ علی عبداللہ بصرہ نے فرمایا کہ آپ کا اصل حق تو عرب میں امامت کا تھا۔ حضرت مولانا کا نسب اور خاندانی تعلق اصلاً یمن سے ہے، اس پر ایک واقعہ حضرت نے بیان فرمایا کہ دوران طالب علمی دارالعلوم دیوبند میں ایک دفعہ حضرت کو سخت بخار آیا، علاج کے لیے حکیم صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا وطن کون سا ہے، حضرت نے فرمایا کہ صوبہ مہاراشٹر کا ہوں، پھر حکیم صاحب نے پوچھا کہ مہاراشٹر میں کہاں کے؟ فرمایا: ممبئی کا، پھر پوچھا میں ممبئی میں کہاں کے؟ اس پر حضرت نے کہا میں آپ کے پاس علاج کے لیے آیا ہوں نہ کہ یہ سب بتانے کے لیے!! حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں علاج ہی کر رہا ہوں، پھر حضرت نے فرمایا کہ میرا تعلق اصل میں یمن سے ہے، اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ نبض بتلایا کہ خون عربی ہے۔۔۔ سبحان اللہ

اکابرین ملت اللہ والوں کے جو صفات گنوائی ہیں، وہ تمام صفات مولانا کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے، زہد و استغناء، خلوص و للہیت، ظاہری و باطنی پاکیزگی، سنت کی کامل اتباع، فیاضی و سخاوت چھوٹوں پر شفقت پر، بڑوں کا اکرام، پوری زندگی سیرت نبویہ کا اسوہ و نمونہ، مسنون و عاؤں کا اہتمام، مختصر کھانے پر قناعت، وقت کے جلیل القدر اہل اللہ و اکابرین ملت کا ان کی طرف رجوع۔ مولانا ان تمام صفات کے حامل تھے، نیز ہر عام و خاص کے ساتھ مولانا کا سلوک و برتاؤ ایسا تھا کہ ہر ملاقات کرنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مولانا سب سے زیادہ مجھے ہی چاہتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے، اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے

حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

خردنوازی کے پیکر

قاری عبدالستار راہٹول

استاذ تجوید و قرأت جامعہ

حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب نظیر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہمارے لیے ایک سرمایہ رحمت تھی، آپ منفرد خوبیوں اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، حق تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کی جامعیت سے خوب خوب نوازا تھا، بزرگانہ ادائیں اور خوبیاں آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں، جن کو دیکھ کر ہر ایک کی پیشانی عقیدت سے آپ کے سامنے جھک جاتی تھی۔ حضرت مولانا کی ایک اہم اور نایاب صفت خردنوازی اور چھوٹوں پر شفقت و محبت تھی، وہ چھوٹوں کی کامیابیوں کو اپنی کامیابی تصور کرتے، ہم چھوٹے لوگ اگر کوئی کام کرتے تو ایسے انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے کہ آگے بڑھنے اور کچھ کر دکھانے کا عزم جاگ اٹھتا تھا۔ اس تعلق سے اس حقیر کے ساتھ حضرت مولانا کی شفقت و محبت کے جو واقعات پیش آئے، ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

حضرت مولانا کے احسانات اس ناچیز پر بے پناہ ہیں، ہماری جماعت جامعہ سے درجہ علمیت سے فارغ ہونے والی پہلی جماعت تھی، اس لیے مولانا کو فطری طور پر ہم سے بڑا ہی تعلق اور لگاؤ تھا، جب میری جامعہ سے عالمیت کی تعلیم مکمل ہوئی، تو مولانا کی سفارش پر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں شعبہ تجوید و قرأت میں میرا داخلہ ہوا اور قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی نے اس عاجز پر دستِ شفقت رکھا، وہاں پر دورانِ تعلیم تجوید و قرأت کی کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت مولانا نے اس وقت پانچ چھ ہزار کی کتابیں بھیجیں اور اس عاجز پر احسان فرمایا۔